شوکتؔ پردیسی: شخصیت اور شاعری

غلام نبی کمار

B-20، تھرڈ فلور، غفور نگر، جامعہ نگر، نئی دہلی۔110025

ریاست اتر پردیش کے ضلع جونپور کو نہ صرف تاریخی اعتبار سے اہمیت حاصل ہے بلکہ ادبی، مذہبی اور تہذیبی اعتبار سے بھی سرزمینِ جونپور کو بہت بڑی وقعت حاصل ہے۔ ادبی لحاظ سے تو خصوصاً اس کی شان دار تاریخ رہی ہے۔ شیراز ہند کے نام سے مشہور اس مقام سے وقتاً فوقتاً ادب کی نامی گرامی ہستیاں جنم لیتی رہی ہیں جنھوں نے جونپور کو سرمایۂ افتخار سے سرفراز کیا ہے۔ عالموں، شاعروں، ادیبوں اور دانشوروں وغیرہ کی یہ فہرست اگرچہ کافی طویل ہے لیکن احسان ناسپاسی ہوگی اگر اردو علم و ادب کو بحرِ بیکراں جیسی وسعت عطا کرنے والے ان معماروں کے نام نہ گنائے جائیں۔ جی ہاں! فخرِ مشرق شفیق جونپوری، مولانا ظفر الحسن ظفر صدیقی، مولانا عزیز ربانی عزیز، رشید احمد صدیقی، حفیظ جونپوری، بیدل جونپوری، کامل شفیقی، شمیم پردیسی، حبیب ظفر آبادی، واحد جونپوری، انور صدیقی، سید غلام سمنانی، محسن رضا جون پوری، رہبر جونپوری، سلام مچھلی شہری اور وامق جونپوری وغیرہ جیسے علمی و ادبی حضرات کے کارنامے اردو زبان و ادب میں تابناکی کی روشن مثال ہیں۔ انھوں نے نہ صرف اپنے زمانے کی پیڑھی کو متاثر کیا بلکہ آنے والی نسلیں بھی ان کے چھوڑے ہوئے سرمایہ سے استفادہ کر کے فیض حاصل کرتی رہیں گی۔

شیخ محمد عرفان المتخلص بہ شوکتؔ پردیسی بیسویں صدی کی تیسری دہائی کی ابتدا میں ادبی افق پر ابھرنے والے ایک کثیر الکلام اور معتبر شاعر گزرے ہیں۔ ان کا آبائی وطن بھی جونپور ہی ہے مگر ان کے والدِ محترم شیخ صاحب علی مرحوم کی زندگی کا بڑا حصّہ ملیشیا میں گزرا اور یہیں (ملیشیا) ان کی پیدائش اپریل ۱۹۲۴ء میں ہوئی۔ ایامِ طفلی کافی مادّی آسائشوں کے ساتھ ملیشیا کے سبز دامن میں گزرے۔ ان کی پرائمری تعلیم بھی ملیشیا میں ہی ہوئی، لیکن جب بارہ سال کے ہوئے تو والدین کے ساتھ ہندوستان آ گئے اور پھر نامساعد حالات کی وجہ سے کبھی واپس نہ جا سکے۔ ان کے والد نے ابتدائی دو سال لکھنؤ میں رہنے کے بعد شہر جونپور میں مستقل طور پر سکونت اختیار کی۔ شوکت پردیسی کو بھی اپنی تعلیم جودار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں انجام پا رہی تھی کو منقطع کر کے والد کے ساتھ جونپور آنا پڑا اور یہاں شہر کے مشن اسکول میں ان کا داخلہ کرایا گیا۔ جہاں انھوں نے آٹھویں جماعت تک تعلیم حاصل کی، لیکن پھر مزید تعلیم نہ حاصل کر سکے۔ اس کی وجہ پہلے ان کی شادی اور بعد میں یکے بعد دیگرے ان کی والدہ، والد اور بڑی بہن جیسے سرپرستوں کا اس عالمِ فانی سے کوچ کر جانا تھا۔ جس کی وجہ سے گھر گرہستی کی ذمہ داریوں کا پورا بوجھ شوکتؔ پردیسی کے ہی کاندھوں پر آن پڑا۔ حصولِ معاش کے سلسلے میں ابتداً ہومیوپیتھی کے کام کو اپنایا لیکن بحیثیتِ معالج انہیں خاطر خواہ کامیابی نہ حاصل ہو سکی۔ بعد میں اپنے خسر حافظ اختر علی کے پاس چلے گئے جو کاشت کاری کے ساتھ ساتھ شہر جونپور میں مختاری بھی کرتے تھے اور جن کے ساتھ انھوں نے معاون کے طور پر کام کیا۔ بالآخر بعض مصلحتوں کی بنیاد پر بنے رشتے میں جب دراڑ محسوس ہوئی تو غالباً ۱۹۵۰ء کے آس پاس بمبئی کو اپنا میدانِ عمل بنایا۔ بمبئی میں اپنے قیام کے دوران انھوں نے کئی ملازمتیں کیں۔ روزنامہ ''انقلاب'' میں کام کیا۔ بچوں کا رسالہ ''منا'' جاری کیا اور کچھ فلموں کے لئے گیت بھی لکھے۔ غرض کہ جہدِ زندگی کے سفر میں مسلسل مصروف رہے اور اسے کامیاب بنانے کی حد درجہ کوشش کی۔ ابھی اپنے ادبی ذوق و شوق کی نمو میں لگے تھے اور یہاں تک کہ اردو شعر و ادب کی دنیا میں کوئی خاص مقام حاصل کرتے یا کوئی خاص پہچان بناتے کہ اختلاجِ قلب کے مریض ہو گئے اور پھر بیماریوں نے اس قدر لپیٹ میں لے لیا کہ واپس اپنے آبائی وطن کی طرف رخ کرنا پڑا۔ بالآخر پوری زندگی اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ جونپور میں ہی بسر کی۔

جونپور آ کر شوکتؔ پردیسی نے کسان کے مشغلہ کو اپنی زندگی کا ذریعۂ معاش بنایا۔ چونکہ ادب کے ساتھ ان کا واسطہ فطری تھا شاعری کرتے تھے ادبی لوگوں کے ساتھ ان کا اُٹھنا بیٹھنا تھا اور ادبی کاموں کے ساتھ جڑے رہنے میں ہی ان کی فارغ البالی تھی لیکن قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ جونپور میں انہیں بے کسی، تنگ دستی، مفلسی، لاچاری کے ساتھ زندگی بسر کرنی پڑی۔ آلام و مصائب اور ذہنی کرب نے انہیں لاغر بنا دیا۔

بنیادی زندگی میں موصوف بہت نفاست پسند، بے حد حساس، نہایت حلیم ہونے کے ساتھ ساتھ خوش گفتار و خوش کردار، مخلص و بیباک، خوددار و شریف النفس، خوبصورت و خوب سیرت انسان واقع ہوئے ہیں۔ بحیثیتِ ایک شوہر، باپ، دوست اور ایک انسان کے انھوں نے حد درجہ مخلصی، اخلاقی

اور وضع داری کا فریضہ انجام دیا۔موصوف نے اپنے بچوں کو تنگ دامنی کا احساس تک نہیں ہونے دیا بلکہ انہیں ایک اچھی تعلیم اور تربیت سے سرفراز کیا۔شوکتؔ پردیسی ۱۹۹۵ء میں اس جہاں فانی کو ہمیشہ کے لیے خیر آباد کہہ کر الوداع ہوئے۔ان کے فرزندوں میں چار بیٹے اور ایک بیٹی ہوئی جن کے نام شمیم احمد، وسیم احمد، ندیم احمد، کلیم احمد اور بیٹی شگفتہ روبی ہیں اور سب بقیدِ حیات ہیں۔شوکتؔ پردیسی پر خامہ فرسائی کرنے کا موقع بھی ان کے فرزندوں کے ہی سبب نصیب ہوا ہے خصوصاً ندیم احمد جونپوری کے ہم بے حد ممنون و مشکور ہیں جنھوں نے اپنے والدِ محترم کے ادبی سرمایہ کو نہ صرف محفوظ رکھا بلکہ مواد کو اکٹھا کر کے اور بعد میں سلیقے سے ترتیب و تہذیب کے بعد اس کی اشاعت کو ممکن بنایا۔

شاعری میں شوکتؔ پردیسی کی طبیعت حد درجہ اونچائی کو چھوتی نظر آتی ہے جس میں انہیں تقریباً ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کا شرف حاصل ہے۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ نثر نگاری میں انھوں نے طبع آزمائی نہیں کی بلکہ نثر نگاری بھی ان کے فن کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتی ہے،لیکن نثر نگاری سے صرفِ نظر انھوں نے شاعری کو اپنی ذات اور شخصیت کا پرتو سمجھا۔

شوکتؔ پردیسی کی اب تک چار کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔جن میں تین شعری مجموعے اور ایک نثری مضامین کا مجموعہ شامل ہے۔ان کا اوّلین شعری مجموعہ ''تحفۂ اطفال'' ۲۰۱۱ء میں شائع ہوا۔جو کہ بچوں کی نظموں پر مشتمل ہے۔نظموں، گیتوں اور تہنیتی نغمات پر مشتمل ان کا دوسرا شعری مجموعہ ''مضرابِ سخن'' کے نام سے دسمبر ۲۰۱۲ء میں منظر عام پر آیا۔جبکہ ان کے تیسرے شعری مجموعے ''سازِ نغمہ بار'' کی اشاعت اول مئی ۲۰۱۵ء میں عمل میں آئی۔اس مجموعے میں موصوف کی غزلیات، قطعات اور رباعیات شامل ہیں۔اس کے علاوہ نثری مضامین پر مشتمل ایک چھوٹی سی کتاب بھی ۲۰۱۵ء میں ہی شائع ہوئی۔

شوکتؔ پردیسی نے اپنا ادبی سفر غالباً ۱۹۳۸ء میں ''محمد عرفانؔ جونپوری'' کے قلمی نام سے شروع کیا۔اس کے بعد انھوں نے مختلف اوقات میں ''محمد عرفان نشاطؔ جونپوری'' اور ''شوکتؔ جونپوری'' کا تخلص بھی اپنے نام کے ساتھ جوڑ دیا۔بالآخر ۱۹۵۰ء میں بمبئی میں اپنے قیام کے دوران انھوں نے ''شوکتؔ پردیسی'' کے تخلص کو اپنی ادبی زندگی کی شناخت اور پہچان کا ذریعہ بنایا۔اردو ادب سے وابستہ حضرات اب انہیں شوکتؔ پردیسی کے نام سے ہی جانتے ہیں۔انہیں علامہ محوی صدیقی لکھنوی، سرشارؔ کسمنڈوی، سیمابؔ اکبر آبادی، حسرتؔ موہانی، متین سروشؔ، حرمتؔ الاکرام اور نوحؔ ناروی جیسے اصحابِ قلم سے شرفِ تلمذ حاصل رہا ہے۔انھوں نے اپنی پہلی غزل محض ۱۴ برس کی عمر میں کہی۔جس کا ایک شعر یوں ہے:

ہم نشین ابتدائے الفت میں
نظر انجام پر نہیں جاتی

جب جب شوکتؔ پردیسی کے فن اور شخصیت پر کوئی تحریر رقم کی جائے گی تب تب اس شعر کو یقیناً دہرایا جاتا رہے گا۔

شوکتؔ پردیسی کا ادبی سفر تھم تھم کر ہی سہی لیکن مسلسل رواں دواں رہا۔ان کی شاعری شیریں گفتاری، خوش کلامی اور ژرف نگاری کے فنی رچاؤ کا عمدہ نمونہ پیش کرتی ہے۔ ہندوستان اور پاکستان کے مختلف رسائل و جرائد میں ان کی تخلیقات شائع ہوتی رہتی تھیں جس کو ہر خاص و عام پسند کرتا تھا۔انھوں نے فلمی اور غیر فلمی گیت بھی لکھے ہیں۔جنھیں گلوکارِ اعظم محمد رفیع، طلعت محمود، آشا بھونسلے، مکیش، مناڈے، سی ایچ آتما، انوپ جلوٹا، دلراج کور وغیرہ گلوکاروں نے اپنی آوازیں دی ہیں،لیکن بحیثیت گیت کار انہیں اپنی شخصیت کی طرح ہی ان فلموں اور گیتوں میں بھی گمنامی ہی حاصل ہوئی۔

شوکتؔ پردیسی نے زندگی کی ہر سطحِ منزل اور سطحِ فکر کو موضوعِ سخن بنایا۔انھوں نے زندگی، ذات، حیات و ممات اور کائنات کا وسیع و عمیق مطالعہ اور مشاہدہ کر کے اپنے فکر و احساسات اور جذبات و خیالات کو نوکِ قلم سے تحریر کر کے ہمیشہ کے لیے جاودانی بخشی۔ان کا فن رومانیت سے لبریز ہے جس میں خارجیت بھی ہے اور داخلیت بھی۔جس میں فنی اختصاص بھی ہے اور حسن و عشق کی آمیزش بھی۔جس میں موسیقیت بھی ہے اور غنائیت بھی۔جس میں مسّرت بھی ہے اور غم کی کیفیت بھی۔جس میں حقیقت پسندی بھی ہے اور معاملہ بندی بھی۔جس میں جاذبیت بھی ہے اور معنویت بھی۔جس میں معاشرے کے لاتعداد مسائل کی منظر کشی بھی ہے اور ان کے تئیں فکر مندی بھی ہے اور اپیل بھی وغیرہ۔

ادبِ اطفال میں ان کی خصوصی دلچسپی کا رنگ جھلکتا ہے۔انھوں نے وافر مقدار میں بچوں کے لیے نظمیں لکھی ہیں۔''تحفۂ اطفال'' اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔جس میں کل ملا کر ۹۵ نظمیں مختلف موضوعات کے تحت قلمبند کی گئی ہیں۔اس بات کو کہنے میں کوئی باک نہیں کہ بچوں کے لئے ادب تخلیق کرنا کوئی آسان کام نہیں، لیکن اس صنف میں شوکتؔ پردیسی کو جو وصف حاصل ہے وہ کسی کسی قلمکار کو نصیب ہوتا ہے۔انہیں بچوں کی فطری دلچسپیوں کا صحیح اندازہ ہے جس کی بنا پر انھوں نے بچوں کی سطح پر بہت ہی عمدہ نظمیں تخلیق کی ہیں۔چند ایک مقبول نظموں میں جاگو اور جگاؤ، وہ بچپن کہاں ہے؟، روبی، محنت، ایک سوال، بڑھاپے کا بچپن، دولت اور علم کی تکرار، مرغی، مزدور، ۱۵/اگست، جشن بہار، امتحان سے پہلے، کامیابی کی آرزو، سچ کی عزت، بھائی چارہ، میں پاس ہوگیا ہوں، خدا کی دین، ہم بچے ہم شہزادے وغیرہ اعلیٰ پایہ کی نظمیں ہیں۔ان نظموں میں بچوں کے شعور اور

اخلاق کی بیداری، عقل وفہم ، دانستگی، بھائی چارگی، قومی یکجہتی، حب الوطنی، امن و آشتی، پیغامِ الٰہی، پیار و محبت، انسانی ترقی، خودداری و ہمدردی، قوم کی خوشحالی، علم کی لگن، بزرگوں کی عزت وغیرہ کو بہت خوبی سے اجاگر کیا گیا ہے۔ بچوں کی سطح پر اس نوعیت کے پیغامات ان کی دماغی نشوونما اور بالیدگی میں کارآمد ثابت ہوتے ہیں۔ ''تحفۂ اطفال'' میں اس قسم کی نظمیں بھی ہیں جس سے کھیل کھیل میں ہی بچوں کی ذہن سازی کرنے میں مصنف کامیاب ہوتے نظر آتے ہیں۔ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ بچوں کے نصاب کے لئے اس کتاب سے نظموں کا انتخاب کیا جا سکتا ہے۔ نظم ''آزادی کا ترانہ'' سے ایک بند ملاحظہ فرمایئے:

ہم ارضِ وطن کے رکھوالے
ہم گنگ وجمن کے رکھوالے
ہم سارے چمن کے رکھوالے
ہر ایک جگہ آباد ہیں ہم
آزاد ہیں ہم آزاد ہیں ہم

شوکت پردیسی نے بچوں کی تعمیر وتربیت اور اصلاح کرنے میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔ چونکہ انہیں نہ صرف اپنا بچپن یاد ہے بلکہ انھوں نے پوتے اور پوتیوں کا بچپن بھی دیکھا۔ جن کی تربیت میں اس کتاب کی متعدد نظمیں پیش کی جا سکتی ہیں جیسے روبی، روفی، روبی ہماری، سمیعہ وغیرہ۔

شوکت پردیسی کی کتاب ''مضرابِ سخن'' میں نظموں کی مجموعی تعداد ۱۰۸، گیتوں کی تعداد ۱۴ اور تہنیتی نغمات کی تعداد ۱۳ اور متفرقات کی تعداد ۴ ہے۔ جس نے ایک ضخیم کتاب کی شکل اختیار کر لی ہے۔ ادب کی تقریباً ہر صنف میں انہیں دسترس حاصل ہے۔ جس کی مثال یہ کتاب ہے۔ جبکہ ''سازِ نغمہ بار'' ان کی غزلیات، قطعات اور رباعیات کا سرمایہ ہے۔ ان کی نظمیں ہوں یا غزلیں، قطعات ہوں یا رباعیات وغیرہ سب میں بے شمار موضوعات کا عمل دخل رہا ہے۔ ہر سطح اور ہر فکر کا موضوع ان کی شاعری کا خاصہ پیش کرتا ہے۔ انھوں نے اپنی نظموں میں انسانی شعور کو بالادستی اور عظمتِ رفتہ کی بحالی، مقصدِ حیات کو زندگی اور حوصلوں کی بازیابی، افکار کو تابانی اور مٹتی امنگوں کی شادمانی، وفا کو جاودانی اور سکونِ قلب کی فراوانی، حسرتِ زیست کو شادابی اور اور عزم واستقلال کی اُٹھان وغیرہ کو پُر پیچ اور دشوار گزار راستوں سے نکال کر منزلِ حیات سے سرفراز کیا ہے۔ ''مضرابِ سخن'' کی نظموں میں نوحۂ غم بھی عیاں ہے اور شادومسرّت کی لذت بھی، زندگی کی حقیقت بھی پوشیدہ ہے اور اسے لطف وانبساط حاصل کرنے کا فن بھی، اس میں تلخیاں بھی ہیں اور لذت و کشا بھی ہے وغیرہ۔ اس کتاب کی نظموں میں بندگی، شمعِ وفا، آمدِ محبوب، تخیلات، تکمیلِ وفا، احساسِ جدائی، گردشِ حالات، دعوتِ شوق، متاعِ جوانی، غریب الوطن کی عید، بلاوا، کالی صورت، رازِ حیات، نئی روشنی، شورشِ غم، نشاطِ نو، یادِ شباب وغیرہ بہت اہمیت کی حامل ہیں۔ گیتوں اور نغموں میں بھی فن کاری کا رنگ خوب نکھرتا ہے۔ ان کی شاعری میں رومانیت کا جلال اور خوبصورتی کا جمال عروج پر نظر آتا ہے۔ جو مدھم مدھم قاری کے ہوش وحواس اور تاب وتواں پر اپنی گرفت حاصل کرتا ہے۔ داخلیت اور خارجیت کے امتزاج کا سنگم ان کی شاعری میں بنیادی نکتے سے روشناس کراتا ہے۔

''سازِ نغمہ بار'' کو بھی شوکت پردیسی کی اہم کتاب تصور کیا جا سکتا ہے۔ اس میں ۱۰۷ غزلیں، ۸۷ رباعیاں اور ۳۹ قطعات شامل ہیں۔ پرفیسر عبدالحق، ڈاکٹر تابش مہدی، امجد اسلام امجد، ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، ندیم احمد (مرتبِ کتاب) وغیرہ قلمکار حضرات کے تحریری مضامین نے اس کتاب کی زینت بڑھانے میں معاون کام کیا ہے۔

شوکت پردیسی کی غزلوں میں رنجیدگی، افسردگی، بے چینی، بے قراری، بے اطمینانی، بے وفائی، تشنگی، درد وغم، اضمحلال، فکریہ عنصر، شکستگی، گمشدگی، غریبی اور مصیبت زدگی وغیرہ کا احساس جابجا نظر آتا ہے جس کی عکاسی انھوں نے نڈر اور بے خوف وخطر کی ہے۔ غزلوں کے در پردہ شاعر کے پورے احوال روشن ہو جاتے ہیں۔ شوکت پردیسی نے اپنے منفرد رنگ و آہنگ سے شاعری میں نشاطیہ عنصر پیدا کیا ہے۔ جناب شمیم طارق ان کی شاعری کے بارے میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

''شوکت پردیسی کی غزلوں کے مطالعے سے زندگی کی توانائی اور ہر دور کے انسان کی اس سے بھرپور ہم رشتگی کا احساس ہوتا ہے۔ زندگی، مصنوعی اور کربناک ہونے کے باوجود کس درجہ دلکش ہے اور انسان کتنی جلدی روتا، گھبراتا یا ہنستا بہلتا ہے، اس کا احساس ان شعروں میں دلایا گیا ہے:

رات اک نادار کا گھر جل گیا تھا اور بس
لوگ تو بے وجہ سناٹے سے گھبرانے لگے
آخرش انسان تھا، مجبور ہو کر ہنس پڑا
اپنے اپنے طور پر جب لوگ سمجھانے لگے

شوکت پردیسی کی رباعیاں اور قطعے بھی ان کی شخصیت کی عکاس ہیں۔ مجموعی طور پر ان کی شاعری قارئین کو ہر لحاظ سے لبھاتی ہے۔ انھوں نے چھوٹی بحور میں بھی شاعری کا مزہ لیا ہے اور بڑی بحور میں بھی، لیکن فن پر آنچ نہیں آنے دی۔ بلکہ شگفتگی اور بے ساختگی سے ان کے اشعار میں روانی پیدا ہوئی ہے۔ الفاظ کے انتخاب، استعارات، تشبیہات اور ترکیبات میں فن کارانہ استعمال، زبان میں سلاست اور فصاحت اور زود گوئی میں ان کی غیر معمولی پکڑ ہے۔ شوکت پردیسی کی شاعری نظموں، غزلوں، قطعوں، رباعیوں اور متفرقات کا ایک دلنشین مرکب ہے۔ ○○